© rasailojaraid.com

صدقات وخیرات

تحریر: جناب غلام سرور قریشی عباس پورہ جہلم

تخلیق کائنات کی عظیم الشان سکیم اللہ سبحانہ کا ایک نہایت ہی محیر العقول کرشمہ ہے۔ یہ کرشمہ تخلیقی اور تدبیری ہے۔ یعنی اس کی تخلیق اور اس کے حسنِ انتظام کی تدبیر دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی مظہر ہیں۔ طبعی طور پر ارض وفضا کا منصوبہ ہر لحاظ سے بے نقص ہے۔ میں نے سماء کا ذکر اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا انسانی عقل کا کام نہیں۔ چونکہ ارض انسان کا گھر ہے اور فضاء اس گھر پر محیط ہے اس لئے اسی پر گفتگو کا ارادہ کیا ہے۔

زمین کے طبعی خدوخال اور فضاء کے احوال پر قرآن مجید میں بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ مجھے جغرافیہ نہیں بیان کرنا، صرف زمین کی ایک جغرافیائی صورت کی طرف توجہ دلانا ہے کیونکہ میں صدقات و خیرات کو قیامِ ارض کے حوالے سے پیش کرنا چاہتا ہوں اور یہ فکر سراسر قرآن پاک سے ماخوذ ہے۔

دنیا کا نقشہ پھیلا کر دیکھیں تو آپ کو پہاڑوں اور گلیشیرز اور سمندروں اور دریاؤں کے درمیان ایک نہایت ہی حکیمانہ ربط نظر آئے گا۔ سورج کے زیر اثر سمندروں، دریاؤں، نہروں اور دیگر آبی ذخائر پر عمل تبخیر ایک اور کارنامۂ قدرت ہے۔ قطبین پر برف کا وجود بھی قابل توجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندروں کا پانی بخارات کے ذریعے ہواؤں پر لادا، یہ ہوائیں میدانوں کی طرف بڑھیں، پہاڑی علاقوں میں گئیں تو ٹھنڈی ہوکر کثیف ہوئیں۔ بخارات پانی میں بدل کر بارش کی صورت میں برس پڑے۔ یہ پانی دریاؤں میں آ گیا۔ کچھ ہوائیں اتنی ٹھنڈی ہوگئیں کہ برف بن کر زمین پر آ رہیں۔ کچھ گلیشیرز پر جا برسیں۔ یہ باتیں ابتدائی جماعتوں کے بچے اپنی جغرافیہ کی کتب میں پڑھتے ہیں۔ یہ بہت ہی سادہ سبق ہے۔ زمین اور اہل زمین کی آبی ضروریات پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام قائم کر دیا ہے۔ گلیشیرز اور پہاڑوں سے برف پگھلتی رہتی ہے۔ دریا بہتے رہتے ہیں۔ دریا سمندروں میں جا گرتے ہیں پھر یہی پانی مندرجہ بالا طریق پر بارش بن کر برستا، دریاؤں، آبی ذخیروں اور نہروں میں آ جاتا ہے۔ اس کا معتد بہ حصہ زمین جذب کر لیتی ہے جس تک رسائی پانے اور استفادہ کرنے کیلئے انسان کنویں کھودتا ہے۔ پہاڑوں کی بلند و بالا چوٹیاں اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برف پوش پہاڑی سلسلے گویا پانی کے بینک ہیں ۔ جن پر سے یہ نعمت سارا سال رس رس کر دریاؤں کے ذریعے انسان کو ملتی رہتی ہے ۔ دوسرا انتظام یہ کر دیا گیا کہ جن کی رسائی دریاؤں تک نہیں وہ اپنے گھروں میں کھدائی کر کے یہ نعمت پالیں ۔

نباتات صفحۂ ہستی پر ، جنگلات ، باغات اور کوہ و دمن میں کثرت سے اگائیں تاکہ انسان ، چرند و پرند اور حشرات الارض اس سے اپنی اپنی ضرورت اور مزاج کے مطابق حصہ پاتے رہیں ۔ اگر انسان اپنی شعوری کوشش سے کاشتکاری اور باغبانی نہ کرے تو بھی زمین کے قوائے نامیہ اسے سبز پوش ہی رکھیں گے ۔

میں نے صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا ہے ورگرنہ کائنات کا ایک ایک ذرہ تخلیق کی سکیم میں اپنی کارفرمائی ایسے کر رہا ہے کہ انسان پکار اٹھتا ہے: ﴿فتبارک اللہ أحسن الخالقین﴾

ان مثالوں کے بعد میں صدقات و خیرات کو لیتا ہوں ۔ دیگر خزائنِ ارضی کی طرح اللہ تعالیٰ نے دولت کے بینک بھی دنیا میں قائم فرمائے ہیں ۔ دولت بھی پہاڑوں اور سمندروں کی طرح ہے اور امراء اس دولت کے پہاڑ اور سمندر ہیں ۔ کوتاہ اندیش انسان دولت اور رزق کے بارے میں یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہ اس کی کسی کاوش ، مکر یا چالاکی اور ہوشیاری کے نتیجے میں اسے ملی ہے ۔ بلاشبہ حصول رزق میں حرکت و عمل کو بنیادی اہمیت حاصل ہے مگر اس حرکت میں برکت ڈالنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے ۔ چاہے تو کسی کا رزق بسیط فرما دے اور چاہے تو کسی کا محدود کر دے ۔ وہ ایسا کیوں فرماتا ہے؟ یہ سوال اس مقام کیلئے نہیں ہے ۔

سورۃ ''یٰس'' میں کفار کی ایک نہایت ہی ردی سوچ کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو کھلانے کا حکم ہمیں دیا جاتا ہے انہیں اللہ تعالیٰ خود ہی کیوں نہیں کھلا دیتا ۔ قرآن مجید اسے کھلی گمراہی کہتا ہے ۔

آیت: ﴿من ذا الذی یقرض اللہ قرضاً حسناً﴾ کا مطالعہ کریں ۔ اہلِ دل کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ داتا قرضِ حسنہ طلب فرماتا ہے ۔ کن سے؟ جو خود اس کے در کے سوالی اور گدا ہیں ۔ کن کیلئے؟ ان کیلئے جنہیں اس نے خود ہی تھوڑا رزق دیا ہے ۔ صحیفۂ فطرت کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آج کے شاہ کل کے گدا بنے ۔ دور کیوں جائیں جناب زیڈ ۔ اے ۔ بھٹو مرحوم نے انڈسٹری قومی تحویل میں لے لی تو بڑے بڑے سرمایہ دار اور صنعت کارآنِ واحد میں مساکین کے زمرے میں داخل ہو گئے ۔ بعض تو واقعی گداگر بن کر رہ گئے ۔ اسی طرح سہگل خاندان ابتداء میں بنجارہ تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دن پھیرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو براعظم ایشیا کے نامور صنعت کار بنے۔ مگر اینٹ گارا ڈھونے والا مزدور جو سب سے زیادہ جسمانی مشقت کرتا ہے، سب سے تھوڑا رزق پاتا ہے۔ لیکن کراچی کا شتربان بشیر، اس کے فضل سے ٹرک کا مالک بن جاتا ہے اور امریکہ کا نائب صدر اسے اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔ یہ اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔

گلیشیر اور برف پوش پہاڑ [illegible] کرتے وہ اپنا پانی انسانوں کی طرف بہاتے رہتے ہیں اگر وہ اپنی برف پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں تو دریا اور سمندر خشک ہو جائیں۔ ڈیم خالی ہو جائیں اور پورے کرۂ ارض کا نہری نظام ختم ہو جائے۔ کہاں کی کھیتی اور کہاں کا اناج! زیرزمین پانی کے ٹھنڈے میٹھے ذخائر بھی ختم ہو جائیں گے اور ہر قسم کی حیات معدوم ہو جائے گی۔ لہلہاتے کھیت نہ رہیں گے، سبزہ زاریں، ریگ زاریں بن جائیں گی۔ ہریالی نام کو نہ رہے گی۔ بعینہٖ اگر دولت مند جو دولت کے پہاڑ ہیں اپنی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جائیں اور صدقات وخیرات سے دور ہو جائیں تو دنیا تلپٹ ہو کر رہ جائے گی۔ ممسکہ نوع انسانی کا دشمن تو ہے ہی، اگر وہ غور کرے تو خود اپنا بھی دشمن ہے۔ برف پوش پہاڑ پانی دیتے ہیں تو وہ پانی کرۂ ارض پر اپنی برکات پھیلا کر سمندروں میں چلا جاتا ہے۔ وہاں سے پھر عمل تبخیر کے ذریعے ہواؤں کے دوش پر لد کر ان پر برف باری کرتا ہے۔ ان کے برفانی خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ لیکن اگر وہ بخل سے کام لیں اور اپنے برفانی خزانے دنیا پر نہ لٹائیں گے تو سمندر خشک ہو جائیں گے۔ عملِ تبخیر رک جائے گا اور ایک وقت آئے گا کہ وہ خود معریٰ ہو جائیں گے۔

اسی طرح اہلِ ثروت اگر صدقات، خیرات، زکوٰۃ میں امساک سے کام لیں گے اور اپنی دولت کو دنیا میں نہ پھیلائیں گے تو دولت بردار ہوائیں ان کے پاس دولت نہ لائیں گی اور ایک وقت آئے گا کہ وہ خود قلاش ہو جائیں گے۔ اس لئے یہ ان کے اپنے بھلے میں ہے کہ اپنا ہاتھ کشادہ رکھیں۔ اپنی دولت کا رخ غرباء اور ناداروں کی طرف رکھیں۔ جب اہل ثروت صدقات، خیرات اور زکوٰۃ روک لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش روک دیتے ہیں۔ کائنات میں مصروفِ عمل کارکنانِ فطرت، میں بارش ہی سب سے بڑا دولت آفریں کارکن ہے۔ یہ نہ ہو تو دیگر ذرائع کی دولت آفرینی بھی ختم ہو جاتی ہے۔

آپ پینے کے پانی اور اناج اگانے کیلئے ہی بارش کے محتاج نہیں ہیں بلکہ بارش کرۂ ارض پر اس [illegible] خالق ہے۔ جس میں حیات کا قیام ممکن ہے۔ یہ امساکِ باراں، دراصل اہل ثروت [illegible] اہلِ ثروت، اہلِ ہمت بن جائیں اور صدقہ وخیرات میں دستِ سخا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دستِ کشا سے کام لیں تو اللہ تعالیٰ بارشیں کثرت سے برسائیں گے۔ ان کی دولت میں بیش بہا اضافے فرمائیں گے۔

خیرات کے لغوی معنی نیکیاں اور بھلائیاں ہیں۔ بھیک یا گدا اس کے اصطلاحی معنی ہیں۔ چونکہ اپنے احوال میں سے، سائل اور محروم کا حق نکالنا بہت ہی بڑی بھلائی ہے۔ اس لئے صدقہ کو خیرات کہا گیا ہے۔ زکوٰۃ اور عشر بھی اسی بھلائی میں شامل ہیں۔ اہلِ ثروت جب صدقہ و خیرات میں فراخدلی سے کام لیں گے تو انسانی معاشروں میں بھلائی، خیرخواہی، بھائی چارہ اور انسان دوستی کے جذبات پروان چڑھیں گے۔ جو انجام کار معاشرتی سلامتی کے ضامن بنیں گے۔ فلاحی معاشرہ، انسان دوستی سے ترتیب پاتا ہے اور انسان دوستی بھلائی یعنی صدقہ و خیرات اور ایثار و قربانی سے جنم لیتی ہے۔

طبقاتی کشمکش جس کے بطن سے کمیونزم نے جنم لیا اور روس سمیت دنیا کے ایک بڑے حصہ کو زندہ انسانوں کیلئے جہنم بنا دیا اور جس کی وجہ سے سرد جنگ نے نصف صدی تک انسانی وسائل کا بڑا حصہ غارت کر دیا، اگر غور کر کے دیکھیں تو اس کی تہہ میں اہل ثروت کا بخل ہی کارفرما تھا۔ کارل مارکس نے جو فلسفہ پیش کیا اور جسے محروم طبقات نے اپنی نجات کا ذریعہ مان لیا وہ بطور فلسفہ تو بڑا ہی ناقص تھا مگر بظاہر وہ دولت کی تقسیم مساوی طور پر کرتا تھا۔ یہ تو اس فلسفہ کے اپنانے والے بدنصیب لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کے بخل سے نجات پانے کی سعی میں دراصل کمیونسٹ پارٹی کے ریاستی ظلم و جبر کے بے رحم شکنجے میں کس گئے ہیں۔ تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ اگر اس دور کے اہل ثروت، صدقات و خیرات نہ روکتے اور محروم لوگوں کا حق ان کو دیتے رہتے تو محروم لوگ کمیونزم قبول کر کے انہیں بھی اپنے ساتھ نہ لے ڈوبتے، وہ جو غرباء کا حق اپنی املاک و مقبوضات اور دولت و ثروت سے دینے پر تیار نہ تھے، کمیونزم نے انہیں ہر چیز سے محروم کر کے غرباء کے ساتھ ہی پیس ڈالا۔

اہل ثروت کو معلوم ہے کہ معاشرے کے محروم طبقات جب ان کے ہاں دولت کی ریل پیل دیکھتے ہیں اور وسائلِ رزق پر ان کا قبضہ اور گرفت دیکھتے ہیں تو ان کے دلوں میں ان کے واسطے حسد کے جذبات بھڑکتے ہیں۔ یہ معاشرتی اور معاشی ناہمواری، اللہ تعالیٰ پیدا نہیں فرماتا۔ جس طرح اس نے پہاڑوں پر برف اس لئے جمائی ہے کہ وہ سدا بے خلل انسانوں کو پانی مہیا کرتے رہیں، اسی طرح اس نے اہل ثروت کے گھروں میں دولت کے انبار اس لئے لگا دیئے ہیں کہ ان خزانوں سے محروم لوگوں کو ان کا حصہ مسلسل ملتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہے۔ اگر یہ حصہ ان کو ملتا رہے تو سوسائٹی میں بھلائی کے جذبات پروان چڑھتے رہیں گے اور ان کے حق میں حسد و نفرت کے شعلے نہ بھڑکیں گے۔

صدقات و خیرات کو روکنا، امراء کیلئے اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنا ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ ''الحشر'' میں مذکور ہے: ﴿ کی لایکون دولۃ بین الأغنیاء منکم ﴾ یعنی دولت کو امراء کے اندر ہی نہیں رہنا چاہئے۔ دولت کا رخ غرباء کی طرف رکھنا چاہئے۔ اس کا اثر یہ ہوگا کہ غرباء اپنی حاجات کی تکمیل کیلئے روپیہ بہت جلد خرچ کر ڈالیں گے اور کچھ عرصہ بعد پھر دولت مندوں کے پاس آ جائے گا۔ دولت غرباء کے ہاں استقلال نہیں پا سکتی کیونکہ ان کی ضروریات ہمیشہ ہی تشنۂ تکمیل ہوتی ہیں۔ جونہی ان کے ہاتھ کوئی رقم لگتی ہے، فوراً خرچ کر ڈالتے ہیں۔ اس طرح عمل استقرار کے تحت دولت پھر دولت مندوں کے پاس ہی آ جاتی ہے۔

اس تحریر کا یہ مقصد نہیں کہ ہم معاشرے میں گداگروں کا کوئی مستقل گروہ پالنے کے داعی ہیں۔ لیکن دار و نادار کا وجود ہر معاشرے میں موجود رہتا ہے۔ یورپ اور امریکہ کے نہایت ہی امیر معاشروں میں بھی غرباء موجود ہیں۔ حقِ محروم کی ادائیگی سے مراد یہ ہے کہ امراء، فلاحی معاشرہ کے قیام میں اپنا کردار ادا کریں۔ اس کیلئے ایک اجتماعی اور منظم منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ یہ کام کوئی بھی حکومت، خواہ وہ کتنی ہی فیاض اور عوام دوست ہو، تنہا سرانجام نہیں دے سکتی۔ ان ممالک میں یہ کام این جی اوز کرتی ہیں۔ عوام دوست، خداترس اور غریب نواز لوگ جمع ہو کر ایک تنظیم قائم کر لیتے ہیں اور اصحاب ثروت سے عطیات لے کر ایسے ادارے قائم کرتے ہیں جو مختلف طریقوں سے ناداروں کی حاجات پوری کرتے ہیں۔ ان اداروں میں شفاء خانے، سکول، کالج، یتیم خانے اور محتاج خانے شامل ہوتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ این جی اوز تیسری دنیا تک دائرہ کار وسیع کر دیتے ہیں۔ گویا ان کے اصحاب ثروت اس قدر ہمدرد دل کے مالک ہیں کہ ان کی دولت صرف انسانی حوالے سے ان لوگوں کی بھلائی کے کاموں میں صرف ہوتی ہے جن سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔

اگر ڈاکٹر صاحبان اور خصوصاً سپیشلسٹ اپنے اپنے شہروں میں پی ایم اے کے دفاتر میں عوامی بھلائی کے جذبے کے تحت کسی پروگرام کے تحت تھوڑا تھوڑا وقت غرباء کو دیں تو ان کی بگڑی بن سکتی ہے۔ جبکہ ڈاکٹروں کی جیب سے کچھ نہ جائے گا۔ اسی طرح اگر اساتذہ کرام غرباء کے بچوں کو کسی جگہ جمع کر کے تھوڑا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھوڑا وقت اپنے اپنے مضمون کی تعلیم کے واسطے ان کو دیں تو یہ بچے بھی اچھی تعلیم پا سکیں گے اور یہ صدقۂ جاریہ ہوگا۔

ہمارا معاشرہ نہایت ہی پس ماندہ ہے۔ غرباء کو بجلی، گیس اور پانی کے کنکشن حاصل کرنے کا طریقۂ کار معلوم نہیں ہوتا اور وہ دفتروں میں دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ اگر ریٹائرڈ سرکاری ملازم کچھ دیر کیلئے ان دفاتر کے باہر بیٹھ جایا کریں تو غرباء کا بھلا کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ایک گونہ صدقہ ہے۔

موقع کی مناسبت سے یہ پنجابی مصرعہ بہت خوب یاد آیا ؎

بھلیاں دی بھلیائی رہسی جاسی گزر زمانہ

بھلائی، احسان اور نیکی کا ایک اثر ہوتا ہے۔ بھلائی، بھلائی کو جنم دیتی ہے۔ احسان، احسان کو جنم دیتا ہے۔ اگر اہل ثروت اور بااثر لوگ معاشرے کے محروم لوگوں کی بھلائی اور فلاح کیلئے کوئی کام کریں گے تو جواب میں تشکر اور احسان مندی، کے جذبات جنم لیں گے۔ یعنی ایک طرف نیکی، بھلائی اور احسان ہوگا تو دوسری طرف خیر خواہی، دعا گوئی اور شکر گزاری ہوگی۔ گویا ہر طرف خیر ہی خیر کی کارفرمائی ہوگی۔ اسی کو معاشرتی سلامتی کہتے ہیں۔ محروم جب اپنی محرومی کا کوئی انسداد نہیں کر پاتا تو لامحالہ جرم کرتا ہے۔ یہ جرم کا جواز تو نہیں مگر محرومی جرم کی علت ضرور بن سکتی ہے۔

دیکھیں! حکومتیں تعمیر و ترقی کے کام کرتی ہی رہتی ہیں مگر یہ عمل کہیں رکتا نہیں ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں بھی ترقی و تعمیر کے منصوبے ہمیشہ ہی زیرِ عمل رہتے ہیں۔ آج ایک سڑک بنی، دس سال بعد پھر اسے بنانا پڑتا ہے۔ اسی طرح انسانی معاشروں میں انسانوں پر اچھے برے دن آتے جاتے رہتے ہیں۔ ایک خوشحال تاجر کسی لاعلاج مرض میں مبتلا ہوا۔ دولت علاج پر لگ گئی، انجام کار موت نے آ دبوچا۔ بچے یتیم ہو گئے اور بیوی بیوہ ہوگئی۔ اب اگر فلاحی معاشرہ ان کی دستگیری کرے تو عین ممکن ہے کہ یہی یتیم بچے اچھی تعلیم و تربیت پا کر کل کلاں پھر خوشحال تاجر بن جائیں اور اگر بے درد معاشرہ انہیں گداگری کے جہنم میں دھکیل دے تو وہ پھر کبھی نہ سنبھل سکیں گے۔ اس لئے فلاحی معاشرہ وہی ہوتا ہے جو ؎ مزہ تو جب ہے کہ گرتے کو تھام لے ساقی، کا عملی نمونہ پیش کرتا ہو۔

اگر ہمارے امراء رزق کو اللہ کی دَین سمجھ لیں اور اس پر ایمان لے آئیں کہ معطی کو خوش کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کی عطاء میں اس کی محروم القسمت مخلوق کو بھی حصہ دار بنالیا جائے تو خود ان کے رزق میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مزید اتنی ہی فراوانی ہوتی رہے گی جتنا وہ خرچ یعنی انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہیں گے۔ دریا ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے پانیوں سے چرند، پرند، حوش وانس اور زمین کی نہاں کرتے رہتے ہیں جبکہ جوہڑ خشک ہوجاتے ہیں۔ سو سخیوں کی دولت کبھی ختم نہیں ہوتی جبکہ بخیل کی دولت جوہڑ کے پانی کی طرح پہلے بدبودار ہوتی اور پھر ختم ہوجاتی ہے۔ دریا کا آبِ رواں پاک ہوتا ہے۔ اسی طرح سخیوں کی دولت جس میں سے صدقات نکلتے رہتے ہیں، پاک رہتی ہے۔ زکوٰۃ کا یہی مفہوم ہے۔ عوام کا محاورہ: ''وہ دنیا اور سز آخرت'' اس پورے مفہوم کا جامع ہے۔

امراء اپنی دولت کی نمائش کیلئے عالی شان محل اور بنگلے تعمیر کرتے ہیں جو ان کے بعد ان کی اولاد کے تصرف میں آتے ہیں اور وہ خود قبر کی اندھیری کوٹھڑی میں جا سوتے ہیں۔ کیا وہ یہ نہیں چاہتے کہ جس طرح وہ اس دنیا میں شاندار محلات میں رہے ہیں، اسی طرح مرنے کے بعد بھی ان محلات سے کہیں بڑھ کر پر شکوہ محلات میں قیام پذیر ہوں؟ انہیں تو اس کی زیادہ چاہت ہونا چاہیئے کہ وہ آرام دہ زندگی کے عادی اور عیش کے دل دادہ ہیں۔ اگر وہ انفاق فی سبیل اللہ کرتے رہیں اور صدقات وخیرات میں ہاتھ کشادہ رکھیں تو جنت میں ان کیلئے محلات تعمیر ہوتے رہیں گے۔ وہ دولت جو اس دنیا میں ان کیلئے باعثِ راحت رہی ہے، عاقبت میں اس سے کہیں بڑھ کر آسائش کا ذریعہ ہوگی۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہوتا ہے: ''اللہ تعالیٰ صدقات میں برکت ڈالتا ہے۔'' یہ برکت دوطرفہ ہے مگر معطی کے حق میں زیادہ ہے۔ صدقات میں اضافہ یہ ہے کہ صدقہ کرنے والے کی دولت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے قصد سے اپنے ذرائع سے دولت بھیج دیتے ہیں کہ جو صدقہ کرنے والے کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ بات صرف اندازِ فکر کی ہے... چوری، سرقہ اور ڈاکہ یا فراڈ سے دنیا کبھی خالی نہ رہی ہے، نہ آئندہ رہے گی۔ ان راہوں میں دولت ہی تو لٹتی ہے مگر اس کے بدلے میں کچھ نہیں ملتا۔ لٹنے والے رو پیٹ کر چپ ہو رہتے ہیں۔ اس کے مقابلہ میں اگر وہ اپنے ہاتھ سے انفاق فی سبیل اللہ کریں گے تو

اولاً: انہیں ایک ایسی روحانی خوشی حاصل ہوگی جو دولتِ دو جہاں دے کر بھی نہیں ملتی۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ کے ہاں مایۂ ثوابِ آخرت بنے گا۔

ثالثاً: اس کے بدلے میں اسی دنیا کے اندر یہ دولت اضافے کے ساتھ اللہ کے فضل سے مل جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رابعاً: صدقات وخیرات سے معاشرے میں ایک عمومی سلامتی، خیر خواہی، بھلائی، نیکی، ہمدردی، اخوت اور مہر و محبت کی فضا قائم رہے گی۔ نادار ان سے صدقات لے کر انکو دعائیں دیں گے۔ ان کی اولاد و املاک کے حق میں نیک جذبات رکھیں گے۔ چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ نیکی، دوستی اور عمومی احسان و مروت سے معاشرتی فلاح میں مدد ملے گی اور جو لوگ آج صدقہ وصول کریں گے کل جب ان کے حالات سنبھل جائیں گے تو وہ اس کی افادیت کو بہتر طریق پر سمجھیں گے اور خود بھی اس میدان میں ساعی ہوں گے اور اپنے گرے پسے ہوئے ہم نسلوں کو اپنے صدقات سے نواز کر انہیں پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانے کی تدبیر کریں گے۔

ہمارے متوسط الحال مسلمان گھرانے صدقات و خیرات میں، مسلمان اہل ثروت سے بازی لے جاتے ہیں۔ الحمدللہ پاکستان کا مسلم معاشرہ بحیثیت مجموعی بخل اور کنجوسی جیسے رذائل سے پاک ہے۔ ملک کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے دینی مدارس ان کے مالی تعاون سے چل رہے ہیں۔ تعمیر مساجد کیلئے مسلمان دل کھول کر اپنے اموال اور اوقات صرف کرتے ہیں۔ ایسی ایسی مساجد تعمیر کر رہے ہیں جو پچھلے زمانے میں صرف بادشاہ ہی تعمیر کر سکتے تھے۔ لیکن اس اسلامی کارنامے میں بڑا حصہ متوسط الحال اور کسی حد تک غرباء کا ہے۔ بڑے بڑے اہل ثروت من حیث الجماعت اسلامی، رفاہی اور فلاحی کاموں میں کم دلچسپی لیتے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ لاہور، کراچی، گوجرانولہ جیسے شہروں میں اہل ثروت نے غرباء کے واسطے بلند پایہ تعلیمی ادارے اور شفاء خانے قائم کرائے ہیں۔ لیکن یہ کام جس وسیع پیمانے پر ہونا چاہیئے اس پر نہیں ہو رہا۔ اگر امراء کا طبقہ ادھر توجہ کرے اور اپنے اموال سے ایسے ادارے قائم کرے جو غرباء کی ایسی خدمت کریں کہ غربت کا دلدر مستقل طور پر ان سے دور ہو جائے تو پھر ایک سچا اسلامی فلاحی معاشرہ قائم ہو سکتا ہے۔ مثلاً... وہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جہاں غرباء کے بچے بغیر فیس کے تعلیم پا سکیں۔ یا امداد باہمی کی ایسی انجمنیں قائم کریں جہاں وہ اپنے صدقات جمع کریں اور ان غرباء کو کاروبار کرنے کیلئے رأس المال مہیا کریں اور مناسب رہنمائی کریں۔ جو باصلاحیت ہونے کے باوجود صرف رأس المال نہ ہونے کی وجہ سے غربت کا بوجھ اٹھاتے ہیں، یہی اسلام کی منشاء ہے۔

اگر وہ اپنے اوقات اس کام کیلئے وقف نہیں کر سکتے تو پھر بھی ان کیلئے ایک راہ پہلے سے کھلی ہے۔ وہ ملک میں موجود دینی اداروں سے تعاون حاصل کر سکتے ہیں اور ان کی توسیع میں مدد دے سکتے ہیں تا کہ وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے کام کا دائرہ وسیع کرسکیں اور غربائے اسلام کے بچوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا اجراء کرسکیں۔ اب تک یہ ادارے بمشکل دینی تعلیم دے رہے ہیں۔ ان کا یہ کام بڑا ہی قابل قدر ہے کیونکہ حکومتی سطح پر علوم اسلامیہ کی تعلیم کا کوئی ایسا انتظام موجود نہیں ہے جس سے مسلم عوام کے بچے مستفید ہوسکیں۔ گو کہ سرکاری تعلیمی اداروں میں اسلامیات پڑھائی جاتی ہے مگر یہ انتظام اتنا کافی نہیں جس کے تحت علماء پیدا ہوسکیں۔ لیکن یہ امر بھی چنداں حوصلہ افزا نہیں ہے کہ ان اداروں کے فاضل التحصیل ہونے والے لوگ امام مسجد کے سوا اور کچھ نہیں بن سکتے۔ پس اگر اہل ثروت دینی اداروں کے مہتمم حضرات سے تعاون کریں اور دینی اداروں کو اس بات پر آمادہ کریں اور ان سے مالی تعاون کریں تو ان اداروں میں غرباء کے بچوں کیلئے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم تعلیم کا اہتمام بھی ہوسکتا ہے۔

زکوۃ، صدقات اور خیرات کی مدات مقرر ہیں۔ ان کا مصرف انہی پر ہوسکتا ہے۔ اس باب میں علمائے اسلام کی رائے ہی قابلِ عمل ہے اور اسی پر عمل ہونا چاہئے۔ میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مسلم امراء اپنی دولت فراخ دلی سے غرباء پر ایسے طریق پر خرچ کریں کہ وہ غربت سے نجات پاکر مستقل طور پر خوشحال ہوجائیں۔ فرض کریں کہ آپ ایک یتیم کو ہر سال زکوۃ دیتے ہیں اور وہ اسے خرچ کرڈالتا ہے اور اگلے سال پھر اسی حال میں آپ کے سامنے دستِ سوال پھیلا کر کھڑا ہوتا ہے۔ یونہی سال پہ سال گزرتے جاتے ہیں، پھر وہ بالغ ہوجاتا ہے۔ اب وہ یتیم نہیں رہا مگر مسکین ہوگیا ہے۔ گویا وہ خیرات کا ہی طالب ہے۔ چاہئے یہ کہ امراء اپنے صدقات سے جدید طرز پر فاؤنڈیشن قائم کریں۔ جو یتیم کی پرورش ایسے طریق پر کریں کہ جب وہ بالغ ہو تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکے اور معاشرے کا خوشحال فرد بن جائے۔ اپاہج، معذور، پاگل اور بے وقوف افراد کی کفالت ایک الگ موضوع ہے۔ امراء ایسا بندوبست کریں کہ یہ لوگ گلیوں میں گداگری کرنے کی جگہ اپنا حق اس فاؤنڈیشن سے حاصل کرسکیں۔ امراء دنیا میں دولت کے پہاڑ ہیں۔ یہ دولت عطیۂ خداوندی ہے۔ اس میں غرباء کا حق رکھ دیا گیا ہے۔ حقدار کا حق مار لینا ظلم ہے۔ حقدار کو اس کا حق دینا امراء کا فرض ہے۔ دولت اگر آبِ رواں کی طرح خرچ ہوتی رہے گی اور اس کا فیض محروم لوگوں کو ملتا رہے گا تو یہ پاکیزہ بھی رہے گی اور اس میں اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔ قرآن مجید میں قارون کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

﴿ولا تنس نصیبک فی الدنیا﴾ دنیا میں اپنے حصہ سے زیادہ پر قابض ہوکر بیٹھ رہنا کوئی بڑائی نہیں ہے۔ آخر تو ایک وقت آنا ہی ہے جب ہمیں سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خالی ہاتھ یہاں سے انتقال کرنا ہے۔ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔ اپنی دولت کو اسراف، تبذیر، بھانڈوں، ہجڑوں اور طوائفوں کی راہ میں برباد کر کے حساب دینا بڑا مشکل ہوگا۔ دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ اسے جس طرح فراخدلی سے اپنے لئے خرچ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ میں بھی کریں تو عاقبت میں اس کا اجر و ثواب بھی ملے گا اور جواب دہی بھی آسان ہوگی۔ وما توفیقی الا باللہ

مہیا سب سامان ملکی اور مالی تھے　　　سکندر جب چلا دنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

پس منظر

یہودیوں کا پسندیدہ شاپنگ سنٹر

یہودیوں سے اہل امریکہ اس قدر خائف ہوئے کہ انہوں نے یہ بلا اپنے گلے سے اتار کر مسلمانوں کے گلے میں ڈال دی اور ایک نام نہاد یہودی ریاست ارض فلسطین میں قائم کر دی، حالانکہ 1914ء میں یورپی برادری کا متفقہ فیصلہ ہوا تھا کہ یہودیوں کو جنوبی افریقہ کے ساحلوں پر آباد کیا جائے .... مگر 1940ء کے بعد برطانیہ نے بھی یہی کہنا شروع کر دیا کہ وہ ارض فلسطین پر یہودیوں کی ایک نوزائیدہ مملکت کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ دن .... اور آج کا دن ... فلسطینی قوم اپنے جرم ضیعفی کی سزا مرگ مفاجات کی صورت میں بھگت رہی ہے۔ ان کی تیسری نسل خیمہ بستیوں میں جنم لے کر جوان ہو رہی ہے اور اب بھی ان کی قسمت کے ستاروں کے مقدر میں کوئی آسمان نہیں۔

یہودیوں کے بھی تو دستور نرالے ہیں۔ وہ مسلمان کو خریدتا ہے تو اس بیچارے کو پتہ ہی نہیں چلتا کہ وہ کس کس کے آگے بک گیا ہے، وہ سات سات واسطے درمیان میں ڈال کر منہ مانگا ریٹ لگا کر ہر کسی کو ہر وقت اپنے مقصد کیلئے استعمال کرتا رہتا ہے۔ دنیائے اسلام میں سے کسی چیز کی جب چاہے وہ شاپنگ کرتا رہتا ہے۔ ہم اس سرور میں رہتے ہیں کہ آزاد ہیں، خودمختار ہیں، اپنے ملک میں رہتے ہیں، مگر .. یہ نہیں جانتے کہ یہ آزادی نہیں، خودمختاری نہیں، ایک تہمت ہے۔

ناحق ہم مجبوروں پہ یہ تہمت ہے مختاری کی　　　جو چاہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

(بشکریہ روزنامہ ''خبریں'' لاہور: تحریر: ڈاکٹر سلیمان عبداللہ)

© rasailojaraid.com